© rasailojaraid.com

مولانا ابو الحسن علی ندویؒ - حیات و خدمات

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر*

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ساتویں صدی ہجری کا زمانہ عالم اسلام کے لیے بڑا پر آشوب دور تھا۔ تاتاریوں کی تاراجیوں نے بہت سے مسلمانوں کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا۔ اسی دوران حسنی سادات کے کچھ بزرگ عراق سے ہجرت کر کے ہندوستان آ کر آباد ہو گئے۔ انہی مہاجرین الی اللہ کی پشت میں مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے بیسویں صدی کے اوائل یعنی ۱۹۱۹ء میں آنکھ کھولی۔ آپ کے والد مولانا عبدالحی الحسنی کا شمار اپنے دور کے مسلّم اہل علم میں ہوتا تھا۔ کئی جلدوں پر مشتمل کتاب نزھۃ الخواطر آپ ہی کے قلم کا شاہکار ہے جو علما کے لیے تحقیق کا بڑا مآخذ ہے۔ مولانا ندویؒ ابھی نو برس کی عمر ہی کے تھے کہ آپ کے والد انتقال فرما گئے۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے سپرد ہوئی جو خود بھی بڑے عالم تھے۔ والد کے انتقال کے ایک برس بعد آپ کو عرب استاد خلیل کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کی صحبت میں آپ نے دو تین برس کے اندر عربی زبان پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ ۱۹۲۷ء میں آپ لکھنؤ یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور فاضل ادب کی سند حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ندوۃ العلماء قدیم و جدید علوم کی بڑھتی ہوئی خلیج میں فاصلے کم کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس کے مؤسسین میں مولانا محمد علی مونگیری کے ساتھ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا ندوی کے والد

☆ مدیر ' ماھنامہ التجوید' فیصل آباد و استاد مساعد، شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبدالحئیؒ بھی شریک تھے۔

۱۹۳۲ء میں علی میاں لاہور تشریف لائے اور مولانا احمد علیؒ سے قرآن حکیم کی تفسیر پڑھی۔ پھر مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا اعزاز علیؒ سے حدیث اور فقہ کا درس لیا۔ قاری اصغر علیؒ سے علم تجوید و روایت حفص کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۴ء میں آپ ندوۃ العلماء میں مدرس مقرر ہوئے۔ مؤسس رکن ہونے کے ناطے ندوۃ العلماء میں آپ کے والد مولانا عبدالحئیؒ کا بڑا مرتبہ تھا۔ علی میاںؒ نے اپنے والد کی علمی میراث سے تو پورا حصہ لیا، لیکن رواج مروجہ کی طرح صاحبزادہ کا لاحقہ کبھی نام کا حصہ نہ بنایا۔ ۱۹۶۱ء میں آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی کے انتقال سے ندوۃ العلماء کا عہدہ نظامت خالی ہوا تو مولانا کو ندوہ کا ناظم مقرر کیا گیا۔ عمر بھر آپ اس سے وابستہ رہے۔

دین کو غالب علی کل غالب کرنے کا جذبہ آپ کو ورثہ میں ملا۔ اسی جذبہ کی تسکین کے لیے آپ نے ۱۹۳۹ء میں برعظیم کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا تاکہ ایسی شخصیات اور ایسے مراکز کو قریب سے دیکھ سکیں جہاں کسی نہ کسی حوالہ سے تبلیغی و اصلاحی تحریکیں جاری تھیں۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالقادر رائے پوری اور دہلی میں تبلیغی جماعت کے مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے بھی ملے۔ آپ لاہور میں علامہ اقبالؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔

ان حضرات کی ملاقاتوں نے مولانا ندوی کی عملی زندگی پر گہرے نقوش ثبت کیے۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری سے ملاقات میں وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کتابی علم انسان کے لیے ضروری تو ہے، لیکن کافی نہیں ہے، کیونکہ کتابی علم معلومات کی حدبندیوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ انسان کو باطنی طہارت اور تعمیر اخلاق کی راہوں پر ڈالنا اس کے بس میں نہیں، جبکہ تعمیر اخلاق و سیرت ہی اصل علم ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کتابی علم کے ساتھ ساتھ کسی اہل نظر کی صحبت نہایت ضروری ہے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں - ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اس مقصد کے لیے آپ مولانا عبدالقادر رائے پوری کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور باقاعدہ بیعت کر کے منازل سلوک طے کیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر بد عملی عمومیت اختیار کر جائے اور علماء مسندوں پر بیٹھے رہیں تو علم اللہ کے ہاں قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا علوم کے افشا کے ساتھ اجتماعی تبلیغ کا فریضہ بھی علماء کی ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستگی اختیار کی اور اس حوالے سے ''مولانا محمد الیاس اور انکی دینی دعوت'' کے عنوان سے کتاب لکھی۔ علامہ اقبال کی صحبت سے آپ پر یہ راز منکشف ہوا کہ مغربی افکار اور مغربی تہذیب مسلمانوں کے لیے سمِ قاتل ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی تشخص کی بقا کے لیے مغربی تہذیب کی یلغار کو روکنا از بس ضروری ہے۔ مولانا ندویؒ کی کشمکش حیات میں ان تینوں حضرات کا فکری عنصر نمایاں طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔ اور بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مولانا نے تعلیم ندوۃ العلماء سے حاصل کی سلوک و تصوف کی منازل مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبت میں رہ کر طے کیں۔ تحریکی زندگی کا سبق مولانا محمدالیاس کاندھلویؒ سے حاصل کیا اور فکری اعتبار سے اقبال سے متاثر ہو کر مغربی تہذیب کو اپنا ہدف مبارزت قرار دیا اور کامیاب یورش کی۔ یوں بھی آپ کا تعلق برعظیم کے عظیم سپہ سالار مجاہدِ اعظم سید احمد شہیدؒ کے خانوادے سے تھا۔ آپ صحیح معنوں میں ان کے وارث تھے، اجداد کی میراث سے آپ کو قلم بھی ملا اور علم بھی ،تقویٰ بھی اور تدین بھی۔ آپ نے اس آبائی وراثت سے ہوش و خرد کو بھی شکار کیا اور قلب ونظر کو بھی جلا بخشی.

مولانا ندویؒ نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں مغربی استعمار عالمِ اسلام پر اپنے استبدادی پنجوں کی گرفت کو مضبوط کر چکا تھا۔ مغرب کی خواہش کے مطابق ترکوں نے خلافت عثمانیہ کو اپنے ہاتھوں سے تار تار کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کی رہی سہی اور بچی کھچی وحدت بھی ٹوٹی مالا کے دانوں کی طرح منتشر ہو کر رہ گئی.

دوسری جنگِ عظیم کے بعد اگرچہ مغربی استعمار نے اسلامی ممالک سے معروضی حالات کی مجبوری کے تحت اپنی بساط کو لپیٹنا شروع کر دیا تھا اور برعظیم پاک و ہند سمیت بہت سے دوسرے ممالک بھی آزادی کی نعمت سے ہم کنار ہوئے تاہم مغربی استعمار کی ثقافتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور معاشرتی یلغار نے مسلمانوں کے اذہان کو یکسر مفلوج کر کے رکھ دیا۔ مسلمان جسمانی آزادی کے باوجود ذہنی غلامی کا شکار تھے۔

مولانا ندویؒ اس صورت حال سے بے حد متاثر تھے اور مسلمانوں کو مغربی ثقافت کے سحر سے نکالنے کے لیے انہوں نے علم جہاد بلند کیا اور تیغ قلم لے کر میدان میں نکلے۔ آپ کے تحریری ورثہ میں "مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں"، "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش"، "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں"، "عالم عرب کا المیہ"، "تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات"، "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" اسی جہاد کا حصہ ہیں۔

ان تمام کتابوں میں مولانا مسلمانوں کو مغربی سحر سے آزادی حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دوسری طرف استعمار کے غیر انسانی اور غیر اخلاقی رویہ کا بھانڈا بھی پھوڑتے ہیں اور مغرب کی صحیح تصویر مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے اس کے مکروہ عزائم سے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہیں۔

مولانا کو اس بات پر پورا وثوق تھا کہ مغرب پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو مغرب کے سحر سے آزادی دلانے کے لیے عربوں کو بیدار کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کے اندر فعالیت کا جوہر دوسری اقوام کی نسبت زیادہ ہے۔ شاید اسی لیے اللہ نے آخری پیغمبر کی بعثت کے لیے خطہ عرب کو منتخب فرمایا تھا۔ مولانا کا یہ خیال علامہ اقبال کی فکر سے مستعار تھا۔ علامہ نے کہا:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر بیدار ہو گا

مولانا نے عرب کے اس شیر کو بیدار کرنے کی طرف پوری توجہ دی۔ اقبالی فکر سے عربوں کو روشناس کرانے کے لیے آپ نے روائع اقبال تحریر کی۔ جس نے عربوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیداری کی لہر پیدا کی۔ اس کتاب نے عربوں کے لیے اپنی شناخت کا دروازہ کھول دیا۔ اسامہ بن لادن جیسے شہزادہ صفت انسان کی سرکردگی میں عرب نوجوانوں کا عملی جہاد اسی کتاب کے ثمرات ہیں۔ مولانا کی کتاب نقوش اقبال روائع اقبال کا اردو نقش ہے۔

علم و آگہی کو مولانا پر ناز تھا۔ انہوں نے ایک نہیں سیکڑوں کتابیں لکھیں، ہندوستان کے مصنف طارق زبیر نے مولانا کی تصنیفات کی فہرست شائع کی ہے جس میں آپ کی (اردو کی) ۱۷۶ کتب کا ذکر ہے۔ اگر ان میں چھوٹے بڑے رسائل کو بھی جمع کر لیا جائے تو یہ تعداد دو سو سے متجاوز ہوتی ہے۔ ان کی ہر تحریر اہلِ علم کے ہاں اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ مستقبل کا ہر عالم اور محقق اپنے دعوے کی تائید میں مولانا مرحوم کی تحریروں کو مستقل طور پر پیش کرتا رہیگا۔

مولانا ندویؒ نے تصنیفی و تالیفی زندگی کا آغاز عالم شباب میں قدم رکھنے سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ ابھی سولہ برس کے تھے کہ آپ نے عربی زبان میں سید احمد شہیدؒ کی زندگی پر مبسوط مقالہ لکھا جو علامہ رشید رضا کے مجلّہ المنار میں مصر سے شائع ہوا۔

الجهاد ماضٍ الی یوم القیامة پر عمل کرتے ہوئے آپ نے قلمی جہاد آخری سانس تک جاری رکھا. کاروان زندگی کی ساتویں جلد انتقال سے صرف ڈیڑھ دو ماہ پہلے شائع ہوئی جسے آپ نے عین فالج کے حملے کے دوران میں املا کروایا تھا کہ ہاتھ میں لکھنے کی سکت باقی نہ تھی۔ یہ آپ کی زندگی کی آخری مطبوعہ کتاب ہے۔ مولانا کی ایک ایک کتاب اپنی جگہ نگینہ و موتی، تاہم تاریخ دعوت و عزیمت اور ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ایسی معرکۃ الآراء کتب ہیں جو شرق و غرب میں اہل علم سے داد وصول کرتی رہیں گی اور عالم اسلام کے لیے نشاۃ ثانیہ کا پیغام ثابت ہوں گی۔ ماذا خسر العالم آپ نے ۱۹۴۷ء میں لکھی تھی جو مصر کے مشہور ادارے لجنة التالیف والترجمه والنشر نے ۱۹۵۰ء میں شائع کی. اس کے ستر قانونی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کے تراجم انگریزی ' فارسی' ترکی' انڈونیشی اور اردو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

مسلم دنیا کی کوئی اہم یونیورسٹی ایسی نہیں جہاں آپ نے لیکچر نہ دیا ہو۔ عالم اسلام کے علاوہ آپ کی اذانیں یورپ کے کلیساؤں میں بھی گونجیں۔ لندن' پیرس ' کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں آپ نے لیکچر دیے۔ اسلام کا پیغام لے کر آپ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے بھی آگے امریکہ تک پہنچے۔ مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، امریکہ سے صاف صاف باتیں اور اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش انہی اسفار کے قلمی نتائج ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں عربی زبان میں لیکچر دئے جو النبوۃ والانبیاء فی ضوء الاسلام کے نام سے شائع ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں آپ نے جامعۃ الریاض سعودی عرب میں بھی بہت سے مفید لیکچر دیے۔ ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے رسالہ الضیاء کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ۱۹۵۵ء میں عربی رسالہ البعث الاسلامی اور ۱۹۵۹ء میں الرائد جاری کیا۔

عربی زبان پر عبور اور فکری پختگی کی وجہ سے آپ سے درخواست کی گئی کہ دمشق سے شائع ہونے والے رسالہ "المسلمون" کا اداریہ تحریر فرمایا کریں ، یہ ذمہ داری آپ نے دو برس نبھائی - مبلغ اسلام اور داعی کی حیثیت سے آپ کا بڑا کارنامہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک ریسرچ سنٹر کا قیام ہے جو آج سے چودہ برس پیشتر آپ کی کوشش کا ثمر ہے۔

علم و قلم کے علاوہ جہاد بھی آپ کا آبائی ورثہ تھا۔ تشکیل پاکستان کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر رہ گئی تھی ، ہندو ذہنیت نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور یہ نعرہ دیا کہ مسلمانوں کو اب ہندوستان میں رہنا ہے تو انہیں ہندو بن کر ہی رہنا ہو گا' مولانا نے اس مبارزت کو قبول کیا اور سینہ سپر ہو گئے اور علی الاعلان فرمایا کہ مسلمانوں کو ہندوستان ہی میں رہنا ہے اور سچا اور پکا مسلمان بن کر رہنا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تشکیل پاکستان کے وقت آپ کے خاندان کے دو تہائی افراد ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی ، لیکن مولانا نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو بے یارومددگار چھوڑنا پسند نہ کیا۔ آپ ہندو تعصب کے سامنے تیغ بے نیام بن کر لکھنؤ میں ندوہ ہی کے ہو رہے۔ کیونکہ اسلام کے خمیر میں کسی باطل قوت کے ساتھ سمجھوتے کا کالم موجود نہیں ، اسلام ہر حال میں اپنا تشخص برقرار رکھتا ہے۔

چند برس پیشتر ہندوستان کی حکومت نے مسلمانوں کو دبانے اور ان کا تشخص ختم کرنے کی خاطر ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے یکساں فیملی لاز کا قانون منظور کیا۔ مولانا ندوی اس فیصلے کے سامنے دیوار بن گئے اور حکومت پر واضح کیا کہ فیملی لاز کے سلسلے میں مسلمان کتاب و سنت کے پابند ہیں ، شریعت اسلامی کے علاوہ کسی بھی قانون کی پاسداری ان کے لیے محال ہی نہیں ناممکن ہے۔ مولانا کی کوششوں کے سامنے حکومت ہند کو ہتھیار ڈالنا پڑے اور مسلمانوں کے لیے پارلیمنٹ نے نیا بل پاس کیا۔

اسی طرح حکومت ہند نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ جس کے تحت ملک کے تمام سکولوں میں بندے ماترم کا ترانہ گانا لازمی کر دیا گیا۔ مسلمان بچوں پر بھی یہ پابندی عاید کی گئی کہ وہ صبح کے وقت بندے ماترم گائیں۔ مولانا نے اس پابندی کے خلاف آواز بلند کی اور فرمایا کہ اس ترانے میں بعض بول ایسے ہیں جو مسلمانوں کے عقیدۂ توحید کے منافی ہیں، لہٰذا مسلمان بچوں کو اس کا پابند کرنا سیکولرازم کے خلاف ہے اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں مداخلت ہے۔ مولانا ہندوستان میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے. یہ معرکہ آسان نہ تھا کیونکہ جنگ سرحدات کی ہو تو دنوں یا مہینوں میں ختم ہو جاتی ہے، لیکن نظریاتی ٹکراؤ کا معرکہ مستقل ہوتا ہے اور اندیشۂ زیاں ہر وقت موجود رہتا ہے.

مولانا ندوی ؒ کی دو کتابیں حدیث پاکستان اور تحفہ پاکستان کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کا ایک ایک ورق اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ آپ کاغذی طور پر ہندی شہریت رکھنے والے اصلاً پاکستانی مسلمان ہیں.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۷۸ء میں مولانا نے فیصل آباد، زرعی یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں اپنے علمی خطاب کے دوران میں پاکستانی مسلمانوں کو یہ پیغام دیا تھا کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کا مستقبل پاکستان کے مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ پاکستان کے بارے میں اگر ہمیں اچھی خبر ملتی ہے تو ہم ہندوؤں کے سامنے سر اٹھا کر چلتے ہیں، لیکن اگر پاکستان سے کوئی منفی خبر ملے تو ہمارے سروں پر گھڑوں پانی پڑ جاتا ہے اور ہماری آنکھیں ندامت سے جھک جاتی ہیں.

دنیا والوں کا وطیرہ ہے کہ وہ شخصیات کو زندگی میں نہیں پہنچانتے، البتہ مرنے کے بعد اعزاز کے ساتھ دفن کے قائل کرتے ہیں، لیکن مولانا اس لحاظ سے خوش قسمت انسان تھے کہ ان کی مساعی کو ان کی زندگی میں بھی اللہ نے شرف قبول عطا فرمایا:

۱۹۸۰ء میں آپ کی خدمات کے صلہ میں سعودی حکومت نے آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ ہدیہ کیا۔ ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی نے آپ کو ادبیات میں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی.

۱۹۹۹ء میں آکسفورڈ اسلامک سنٹر کی طرف سے تاریخ دعوت و عزیمت لکھنے پر آپ کو سلطان برونائی ایوارڈ دیا گیا.

حکومت پاکستان نے آپ کی خدمات کے اعزاز میں ایک لاکھ روپے عطیہ دیا' آپ نے یہ ساری رقم اپنے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زوجہ محترمہ کو عطیہ کر دی۔ اسی طرح دوسری حکومتوں سے ملنے والی رقوم بھی جہاد افغانستان پر خرچ فرما دیں.

مولانا کی زندگی ہی میں آپ کی شخصیت کے حوالے سے عربی اور اردو زبان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں مولانا قاسمی کی کتاب بعنوان ''مولانا ابو الحسن علی ندوی مشاہیر امت کی نظر میں'' طبع ہوئی۔ پچھلے برس عربی زبان میں عبدالماجد غوری کی تصنیف بعنوان ابوالحسن علی الحسینی الندوی الامام المفکر والداعی الادیب دمشق سے شائع ہوئی.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میر کاروان کے عنوان سے تازہ ترین کتاب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے نکلی ہے۔

مولانا آغاز ہی سے تحریکی ذہن کے حامل تھے۔آپ اس بات کے قائل تھے کہ باطل کا مقابلہ اجتماعی حیثیت ہی سے مؤثر ہوتا ہے۔ انفرادی کوششیں زیادہ بار آور نہیں ہوتیں۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۴۳ء میں انجمن تعلیمات دین کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور اس کے تحت قرآن حکیم اور حدیث رسول کے دروس کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلامی قائم کی۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے عالمی رابطہ ادب اسلامی کو تشکیل دیا۔ جس کے مراکز پورے عالم اسلامی میں قائم ہیں۔ مولانا کے تمام کمالات کے ذکر سے قلم عاری ہے، موت اگر گھر کے آنگن میں آئے تو ایک ہی مرتا ہے ، لیکن اگر کسی نابغہ روزگار عالم کے دروازے پر دستک دے دے تو ایک نہیں پوری قوم کا جنازہ اٹھتا ہے، مولانا کی موت سے مذکورہ تمام ادارے یتیم ہو گئے۔ صرف ادارے نہیں، بلکہ پورا عالم اسلام یتیم ہو کر رہ گیا ہے۔

اسلام اور عالم اسلام کے لیے دھڑکتا ہوا دل ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پر سکون ہو گیا۔ اور بیسویں صدی کے آغاز میں طلوع ہونے والا یہ علمی آفتاب بیسویں صدی کے اختتام کے ساتھ ہی غروب ہو گیا۔ اور علامہ ابوالحسن علی ندوی زبان حال سے یہ کہتے ہوئے آسودہ رحمت الٰہی ہو گئے۔

ہمارے بعد اجالا نہیں اندھیرا ہے
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے
ہم ایسے لوگ تو اب تم کہاں سے لاؤ گے
ڈھونڈنے نکلو گے لیکن ہمیں نہ پاؤ گے

اے اقبال کے شناور - اے محرم راز درون مے خانہ ، آج ہم تجھے اقبال ہی کے الفاظ میں عقیدت کا خراج پیش کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(یہ مقالہ مولانا ابو الحسن علی ندوی کے تعزیتی اجلاس منعقدہ فیصل آباد میں پڑھا گیا.)

© rasailojaraid.com